اسلام کا ذوق جمال اور اس کی آبیاری

پروفیسر سید محمد سلیم ○

عقل اور حکمت اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام ہے جو انسان کو عطا ہوا ہے۔ عقل و حکمت سے کام لینے کی بدولت آج وہ عظیم الشان قصر تہذیب و تمدن اور رفیع الشان منارۂ علوم و فنون قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

عقل کی دو بڑی قسمیں ہیں: حسی اور وجدانی۔ "عقل حسی" ایک شے کو لیتی ہے' اس کی تحلیل اور اس کا تجزیہ کرتی ہے' پھر استنباط اور استدلال کے عمل کے ذریعے اس میں پنہاں اصول و ضوابط کا انکشاف کرتی ہے۔ یہ سائنسی طریقۂ کار ہے۔ عقل حسی کا دوسرا طریقۂ کار تالیفی اور امتزاجی ہے۔ انسانی ذہن جدا جدا اجزا پر قناعت نہیں کر سکتا وہ ان کو جوڑ کر ایک تصویر کل بنانا چاہتا ہے۔ عقل کی دوسری قسم وجدانی ہے۔ عقل وجدانی کی نظر عالم مادیت سے بلند ہو کر عالم مثال (ideal) پر ہوتی ہے۔ وہ عقل حسی کے دائرہ کار "کیا ہے؟" اور "کیوں ہے؟" پر قناعت نہیں کرتی بلکہ "کیا ہونا چاہیے؟" پر توجہ مرکوز رکھتی ہے۔ عقل وجدانی کی سرگرمی کے میدان دو ہیں' عالم مثال کی جستجو اور حقیقت کبریٰ سے تقرب۔ عقل وجدانی "حاضر و موجود" سے بڑی جلدی اکتا جاتی اور بیزار ہو جاتی ہے' پھر وہ اس سے بہتر اور اس سے اعلیٰ کی تلاش میں لگ جاتی ہے۔ وجدان میں بہترین کا خواب دیکھتی ہے اور ظاہر میں اس خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے درپے ہو جاتی ہے۔

انسانی زندگی میں عقل وجدانی کا خاص مقام ہے۔ یہ دراصل وہ قوت محرکہ اور جذبۂ فعال ہے جس نے صدہا سال سے نوع انسانی کو خوب تر کی تلاش میں متحرک اور سرگرم عمل رکھا ہے۔ اسی کی بدولت نوع انسانی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا سفر تسلسل کے ساتھ بلاانقطاع جاری رکھے ہوئے ہے۔ بظاہر تو عقل وجدانی کی سرگرمی مادی ماحول سے ماورئی یا بیگانہ نظر آتی ہے مگر درحقیقت وہ ایسی بیگانہ بھی نہیں ہے'

○ سابق ڈائریکٹر' ادارہ تعلیمی تحقیق' لاہور

بالآخر اشیاے مفیدہ کی تقویت کا سبب بنتی ہے۔ فنون لطیفہ، فنون مفیدہ کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔

یہ کچھ خاص قسم کے افراد کے خواب ہیں جو فنون لطیفہ کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ فنون لطیفہ کی ابتدائی شکل تو محض نقالی ہوتی ہے، مزید برآں بھونڈی اور بے جان ہوتی ہے۔ مگر ایک مدت ریاض کرنے کے بعد وہ منزل آتی ہے کہ: ع ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو۔ اس وقت وہ فن کا اعلیٰ نمونہ تخلیق کرتا ہے۔ تاج محل کو دیکھیے، تین صدیاں بیت چکی ہیں مگر آج بھی عقل وجدانی فن کار کی عظمت کو نذرانہ عقیدت پیش کرتی ہے جس نے سنگ و خشت میں حسن کی ایسی زندہ تصویر کھینچ دی۔

عقل وجدانی کی کاوش کا دوسرا بڑا مظہر یہ ہے کہ وہ حاضر اور موجود پر قناعت نہیں کرتی۔ وہ کائنات رنگ و بو کے پس پردہ وراء الوراء حقیقت کبریٰ سے آشنائی، اس کا تقرب اور الوہیت تک رسائی چاہتی ہے۔ مختلف مذاہب کے پیروؤں کا مختلف زمانوں میں جوگی، سنیاسی، قلندر، راہب، صوفی کی شکل میں ایک طویل قافلہ نظر آتا ہے، جو اس دشوار گزار سنگلاخ زمین کی رہ نوردی کر رہا ہے۔ یہ تو عملی دنیا ہے اور نظری دنیا میں بقول علامہ اقبالؒ : "اعلیٰ ریاضی، اعلیٰ فلسفہ اور اعلیٰ شاعری کا ہدف آخری حقیقت کبریٰ کی تلاش و جستجو اور تقرب ہوتا ہے" (تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ)۔

حقیقت کبریٰ کی تلاش و جستجو کے دو میدان مذہب اور تصوف، سے تو سب واقف ہیں مگر اس حقیقت سے کم تر لوگ واقف ہیں کہ فنون لطیفہ کا رخ بھی حقیقت کبریٰ کی جانب ہوتا ہے۔

مگر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عقل وجدانی نے ماضی کی قوموں میں، حقیقت کبریٰ کی جستجو میں، تعبیر میں اور تشریح میں سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ سیکڑوں قوموں کو گمراہی اور ہلاکت کے غاروں میں دھکیل دیا۔ مذاہب عالم کی داستان دراصل ان لغزشوں اور گمراہیوں کی داستان ہے۔

ایران کے مجوسیوں نے حقیقت کبریٰ کا جلوہ نور میں دیکھا اور پھر اس کو نار سے تعبیر کیا اور نار کو اس کا مظہر قرار دے دیا۔ سارے ملک میں آتش کدے روشن ہو گئے۔ ساری قوم آتش پرست بن گئی۔ پھر نور کی تفہیم کے لیے ظلمت کا وجود بھی ضروری قرار دیا گیا۔ نور و ظلمت کا تضاد پیش کیا گیا۔ اس سے اہرمن اور یزداں کا بروز ہوا۔ ہندوؤں کے مہاپرشوں نے صفات حسنہ کا انکار کر کے "ذات بے چون و بے چگوں" پر سارا زور دے دیا۔ عامۃ الناس ایسی ہستی کا تصور کرنے سے قاصر رہے۔ پھر مہاپرش نیچے گرے اور توجہ مرکوز کرنے کے لیے حسی مجسمہ سازی کی اجازت دے دی۔ یہی بات البیرونی نے پیش کی ہے۔ یہی بیان ابو الفضل کا ہے اور یہی توجیہ ہم عصر ہندو فلسفی پروفیسر رادھا کشن نے پیش کی ہے۔ یہاں سے بت پرستی اور بت سازی کا سیلاب بہہ نکلا جس نے سارے ایشیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس لیے عقل وجدانی کی تلاش و جستجو کی اہمیت تسلیم، مگر اس کی تعبیر و تشریح نے ایک خلق کو گمراہ کیا ہے۔

قرآن مجید انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے نازل کردہ آخری کتاب ہے۔ نوع انسانی کی غلط اندیشیوں، کج فکریوں اور گمراہیوں کو یہ آخری کتاب کیسے نظرانداز کر سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی غلط اندیشیوں کی ایک

ایک کجی کی نشان دہی فرمائی ہے۔ اور امت محمدیہ' کو گمراہی کے ان گڑھوں سے باخبر کر دیا تاکہ وہ ان سے محفوظ رہے اور ان میں نہ گرے۔ قرآن مجید نے اقوام ماضی کی گمراہیوں کو بیان کیا ہے اور پھر ان پر سخت تنقید فرمائی ہے۔ ان گمراہیوں میں سرفہرست "شرک" ہے جس کی قرآن مجید نے سب سے زیادہ مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْتَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ٥ (الحج ۲۲: ۳۱) اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا' اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اس کو ایسی جگہ لے جا کر پھینک دے گی جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔

شرک اختیار کرنے کے بعد انسان اشرف المخلوقات کے بلند مرتبے سے نیچے گر جاتا ہے۔ جب وہ شجرو حجر کو اپنا معبود بنا لیتا ہے تو درحقیقت وہ اپنی انسانیت کو گم کر دیتا ہے۔ وہ اپنے سے کم تر مخلوق کا غلام بن جاتا ہے اور بے وقعت ہو جاتا ہے۔ بت پرستی گمراہی کا وہ گڑھا ہے جس میں ماضی کی لاتعداد اقوام گر کر تباہ اور ہلاک ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بت پرستی سے سختی سے منع کرتا ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج ۲۲: ۳۰) پس بتوں کی گندگی سے بچو' جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو---- یعنی تخیلات و توہمات کے بت ہوں یا تصورات و نظریات کے' ان سب سے بچو۔ ان کی پرستش کرنا' انسانیت کی تحقیر و تذلیل ہے۔

راہ ضلالت سے متنبہ کرنے کے بعد مثبت طور پر الوہیت کی حقیقت بیان فرمائی کہ تم کسی بھی خیال آرائی اور تصویر سازی سے الوہیت کی حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ وہ وراء الوراء ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ز وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ج وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ٥ (انعام ۶: ۱۰۳) نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے' وہ نہایت باریک بیں اور باخبر ہے---- ایک دوسری آیت میں مزید تشریح اس طرح فرمائی ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ج وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ٥ (الشوریٰ ۴۲: ۱۱) کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہہ نہیں' وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

حقیقت کبریٰ اور الوہیت کا تصور قرآن مجید میں کامل تنزیہہ اور کامل تطہیر کا ہے ؎

نہ پہنچی وہاں تک خرد کی کمند   بہت اونچی ہے اس کی بام بلند

حقیقت کبریٰ سے تقرب حاصل کرنے کی راہ پر قرآن مجید نے مثبت اور منفی دونوں نوعیت کے سنگ میل نصب کر دیے ہیں تاکہ رہرو راہ حقیقت' غلط اندیشیوں' لغزشوں اور گمراہیوں سے بچیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان علما و مفکرین مادی کثافت سے بلند ہو کر حقائق بسیطہ اور تجریدی افکار میں ترقی کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ فطرت انسانی کا خالق ہے' انسانی فطرت اور مزاج کا شناسا ہے۔ اس کو انسان کی کمزوری کا علم

ہے۔ اس کی طبیعت اور جبلت کا تقاضا حسی وابستگی ہے' جس سے انسان اپنا قلبی تعلق جوڑے۔ اس کمزوری کا خیال رکھتے ہوئے اس نے حسی دنیا میں دل بستگی کے لیے تین مظاہرات کو اپنی ذات سے نسبت قائم کرنے کی اجازت دے دی۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لیے منتخب کر لیا' جن کا وحی اور جبریلؑ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے براہ راست رابطہ قائم ہے۔

۲۔ کلام اللہ ' اللہ کا کلام ہے۔ اس کو پڑھنا' اس سے محبت کرنا' اس سے دل بستگی پیدا کرنا درحقیقت اللہ سے محبت اور وابستگی پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

۳۔ بیت اللہ ' تعلق باللہ اور تقرب الی اللہ کا مظہر ہے۔ حجر اسود کو بوسہ دینا اعمال طواف میں شامل ہے۔ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرمائی ہے کہ: اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ یَمِیْنُ اللّٰہِ عَلَی الْاَرْضِ' حجر اسود زمین پر اللہ کا دایاں ہاتھ ہے--- جب حاجی حجر اسود کو بوسہ دیتا ہے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے داہنے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے۔

اس طرح ان تین ذرائع سے اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت میں موجود حسی تشنگی کو رفع کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اسلام نے ایک طرف کامل تنزیہہ کا اعلیٰ معیار برقرار رکھا۔ تصور الوہیت میں کسی نوع کی مادی کثافت کی آمیزش نہیں ہونے دی اور ساتھ ہی ساتھ تعلق خاطر اور قلبی وابستگی کے لیے ایک دریچہ بھی باقی رکھا کہ خستگان راہ محبت اور تشنگان آب ویدار اس طرح کسی درجے میں سیری اور سیرابی حاصل کریں۔ یہ اہتمام حکمت قرآنی کا اعجاز ہے۔

فنون لطیفہ: فنون لطیفہ "کیا ہونا چاہیے؟" سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا شمار مثبت علوم (positive sciences) کے بجائے معیاری علوم (normative sciences) میں ہوتا ہے۔ اس لیے فنون لطیفہ میں حقیقت کبریٰ کا تصور جلوہ ریز ہوتا ہے۔ حقیقت کبریٰ کا تصور ہر قوم میں اور ہر تہذیب میں یکساں نہیں ہے۔ اس لیے ہر قوم کے یہاں فنون لطیفہ نے بھی جداگانہ انداز میں فروغ پایا اور ترقی کی ہے۔

مشرک اقوام نے حقیقت کبریٰ کا جلوہ بت کی صورت میں دیکھا۔ ان کی تمام محبت اور توجہ بت پر مرکوز ہو گئی۔ ان کی اس دلچسپی نے حسن و جمال کو بت میں منتقل کرنے کی کوشش کی۔ ان قوموں میں بت تراشی' مجسمہ سازی' سنگ تراشی' تصویر سازی جیسے مختلف فنون نے فروغ پایا۔ ہندو اپنے بتوں کو بھجن (گانے) سناتے تھے۔ اس جذبے سے فن موسیقی اور نغمہ سرائی نے غیر معمولی اہمیت حاصل کرلی۔ یونانیوں اور ہندوؤں کی دیوی دیوتا بھیس بدل بدل کر آتے تھے۔ اس لیے ان قوموں کا سوانگ بھرنا بھی ایک قسم کی عبادت ہے۔ اس چیز سے فن ڈراما نگاری اور فن اداکاری پیدا ہوا۔ مسیحی مذہب میں کنواری مریم سے بچے کی ولادت اور پھر حضرت مسیحؑ کا سولی پر چڑھنا' یہ دو بہت اہم اور عجیب واقعات ہیں۔ ان دو واقعات کی تجسیم کے لیے مسیحی سنگ تراشوں اور

تصویر سازوں نے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر دیں۔ ان کے بہترین مصور [اور مجسمہ ساز] ان دو واقعات کی تصویر کشی کرتے رہے ہیں۔ مختلف اقوام کے یہاں ان کے فنون لطیفہ کا تعلق ان کے تصور حقیقت کبریٰ سے بڑا قریبی ہے۔

اسلامی فنون لطیفہ: مسلمانوں کے یہاں حقیقت کبریٰ کا تصور کچھ اور نوعیت کا ہے۔ اس لیے ان کے یہاں کچھ دوسرے انداز کے فنون نے عروج پایا اور فروغ حاصل کیا۔

نعت گوئی: حقیقت کبریٰ کے تین مظاہرات میں سے پہلا مظہر، حب رسولؐ ہے۔ حب رسولؐ سے شاعری کے میدان میں نعت گوئی نے ترقی کی۔ دنیا کی کسی قوم کے اندر نعت گوئی کا انداز نہیں ہے۔ مسلمانوں کی کوئی زبان بلکہ کوئی بولی ایسی نہیں ہے جس میں مسلمان شعرا نے نعت رسولؐ میں دفتر کے دفتر نہ بھر دیے ہوں۔ یہ ذوق اسی جذبے سے آج بھی برقرار ہے۔ ہندو شعرا نے بھی مسلمانوں سے متاثر ہو کر بڑی خوب صورت نعتیں کہی ہیں۔ بعض شعرا ایسے گزرے ہیں اور آج بھی ہیں جو صرف نعت رسولؐ کہتے ہیں۔ محبت رسولؐ کی وجہ سے شاعری کی نئی صنف "نعت" وجود میں آئی اور اس میں عجیب ندرتیں اور انداز اختیار کیے گئے۔

تعمیر مساجد: حقیقت کبریٰ کا دوسرا مظہر، بیت اللہ المکرم، کعبہ شریف، مکہ مکرمہ ہے۔ سارے عالم کے مسلمانوں کے لیے یہ قبلہ ہے اور سجدہ گاہ ہے۔ سارے سجدوں کی محراب کا رخ اس کی طرف ہوتا ہے۔ دنیا کے جس شہر اور جس بستی میں مسلمان پہنچے وہاں انھوں نے اپنی مسجدیں تعمیر کیں۔ محبت اور عقیدت کے اعلیٰ نمونے پیش کیے۔ اشبیلیہ کے حکمران معتمد بن عباد نے یہ نادر مثال پیش کی کہ مسجد تعمیر کرتے وقت چونے اور گارے کے ساتھ مشک کے بورے بھی گارے میں ڈلوا دیے تھے۔ مدتوں مسجد کی دیواروں سے مشک کی خوشبو آتی رہی۔

تعمیر مساجد میں مسلمانوں نے فن تعمیر کے نادر نمونے پیش کیے ہیں۔ مسجد قرطبہ (اندلس)، جامع قیروان (فاس)، مسجد سلطان احمد (قسطنطنیہ)، مسجد اصفہان (ایران)، بادشاہی مسجد (لاہور)، مسجد قوت الاسلام (دہلی)، شاہجہانی مسجد (دہلی) اپنے حسن و رعنائی میں نادر روزگار ہیں۔ ان میں ایک عام آدمی کو بھی عظمت، شوکت، جلال اور جمال کا مظہر صاف نظر آتا ہے۔ تعمیر مساجد سے فن تعمیر کو غیر معمولی عظمت حاصل ہو گئی۔

حسن قرائت: حقیقت کبریٰ کا تیسرا مظہر، کلام اللہ قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید سے مسلمانوں کی عقیدت و محبت نے کئی رخ اختیار کیے ہیں۔ سب سے اول اور اہم بات تو یہ ہے کہ مسلمان اللہ کی کتاب کو حفظ کرتے ہیں۔ آج تک مسلمانوں کا کوئی شہر بلکہ کوئی بستی ایسی نہ ہو گی جو حفاظ قرآن سے خالی رہی ہو۔ دنیا کی تمام اقوام میں یہ شرف صرف قرآن مجید کو حاصل ہے کہ اس کے حفاظ ہزاروں کی تعداد میں ہر زمانے میں موجود رہے ہیں۔

قرآن مجید کے پڑھنے کا ایک خاص انداز ہے۔ یہ موسیقی نہیں ہے بلکہ لحن داؤدی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بڑے ذوق شوق سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے، جس کو سن کر ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ان کو اللہ نے حضرت داؤدؑ جیسا لحن اور سوز عطا کیا ہے۔

قرآن مجید کی قرأت کو مسلمانوں نے ایک فن بنا دیا ہے۔ صوت اور اس کے اظہار میں جدت طرازی اور ابداع سے کام لیا۔ اس کے نتیجے میں آج عالم اسلام میں قرأت کے سات مستند اور تین غیر مستند طریقے رائج ہیں۔ کوئی صاحب کمال قاری جب قرآن مجید کی قرأت کرتا ہے تو اس کو سن کر حقیقت یہ ہے کہ قلب و روح میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے جس کا اظہار الفاظ میں مشکل ہے۔

ادب لطیف: قرآن مجید کی زبان عربی مبین ہے۔ فصاحت و بلاغت میں یکتا ہے۔ حسن بیان اور حسن ترکیب میں بے مثال ہے۔ اس کی آیات حسن صوت اور حسن آہنگ میں نغمہ ریز ہیں۔ حسن معنوی کی اثر آفرینی اور سحر انگیزی لاثانی ہے۔ حفظ قرآن اور تلاوت قرآن کے نتیجے میں مسلمانوں کا ذہن کلام کی معنویت سے متاثر ہوا۔ اس تاثر سے علم و حکمت کے کتنے ہی چشمے پھوٹے۔ کلام الٰہی کی معنویت سے قاری کے ذہن میں ذوق ادب اور ذوق لطیف کی آبیاری ہوئی۔ یہ قرآن کا فیضان ہے کہ مسلمان دنیا کی اقوام میں ادب پروری کے لیے مشہور و ممتاز ہو گئے۔

سب سے اول اور سب سے اعلیٰ نمونۂ کلام تو اس کلام کے لانے والے نے پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ "میں عرب اور غیر عرب کا فصیح ترین خطیب ہوں"۔ آپؐ کا کلام ادب کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آپؐ کے اقوال جوامع الکلم ہیں جن میں ایک دریاے معانی بند ہے۔ ان سے فیض یاب ہو کر مسلمانوں کے اہل علم، ذوق ادب اور ذوق لطیف اور حسن کلام سے بہرہ مند ہوتے رہے ہیں۔ لطافت و نزاکت ادب کے دقائق کے شناسا رہے ہیں۔ مسلمانوں نے ہر ملک اور ہر زبان میں ماہر خطیب اور فصیح اللسان ادیب پیدا کیے ہیں۔ مسلمان ادیبوں نے اعلیٰ درجے کا ادب لطیف دنیا کے سامنے پیش کیا۔

مسلمان اہل قلم نے صرف سنجیدہ اور خشک ادب کی ہی آبیاری نہیں کی ہے بلکہ تفریحی ادب کی بھی آبیاری کی ہے۔ **جاحظ کے مسائل، حریری کے مقامات، گلستان و بوستان، باغ و بہار و نو طرز مرصع** سب اسی قبیل کی کتابیں ہیں۔ عام تصور کے برخلاف اسلام کھیل، تفریح اور خوش طبعی کی اجازت دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند حبشی نوجوانوں کو کھیلنے پر آمادہ دیکھا، تو آپؐ نے فرمایا: اے اہل حبشہ، یہاں مسجد میں کھیلو، تاکہ یہود کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دین میں بڑی وسعت ہے۔

تحسین خط: کلام اللہ سے عقیدت و محبت کا ایک رخ تحریر و کتابت کلام الٰہی کی جانب ہے۔ قرآن مجید کی کتابت کو مسلمانوں نے ایک فن بنا دیا، جس میں بڑا تنوع اور بوقلمونی ہے۔ کتابت قرآن مجید کے ایسے لاثانی اور نادر نمونے مسلمان قلم کاروں نے پیش کیے ہیں، جو آج دنیا کے عجائب خانوں میں محفوظ

ہیں' ان کا فی الحقیقت کوئی جواب نہیں' وہ لاثانی ہیں۔

آغاز میں مکی مدنی خط ایک سپاٹ سی تحریر تھی۔ قرآن مجید کو بہترین انداز پر لکھنے کے دینی جذبے نے بتدریج اس خط کو حسن و رعنائی' زیبائی اور دل کشی کے اس اعلیٰ معیار پر پہنچا دیا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ دنیا کا کوئی خط دل کشی اور زیبائی میں عربی خط کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دنیا کی کوئی کتاب حسن و دل کشی میں قرآن مجید کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

عربی خط کا یہ ارتقائی سفر بڑا دلچسپ ہے اور صدیوں پر محیط ہے۔ اسلامی سلطنتوں کے ساتھ ساتھ عربی خط بھی سفر کرتا رہا۔ مدینہ سے یہ خط کوفہ منتقل ہوا اور خط کوفی کہلایا۔ یہاں اس کو اعراب کا اعلیٰ نظام دیا گیا جس کے بعد اس کا پڑھنا غیر مسلموں کے لیے بھی سہل ہو گیا۔ کوفہ سے یہ قیروان' افریقہ پہنچا اور خط قیروان کہلایا۔ وہاں سے فاس (مراکش) پہنچا اور خط مغربی کہلایا۔ وہاں سے اندلس گیا اور خط قرطبی کہلایا۔ قیروان سے جنوب میں ٹمبکٹو (مالی) گیا اور خط تکروری کہلایا۔ اتنے سارے خطوط کے نام سے یہ شبہ نہ ہو کہ طرز تحریر میں کوئی زیادہ فرق آگیا تھا۔ افریقی خطوط تقریباً یکساں تھے۔ مشرقی ممالک میں بھی عربی خط نے بہت ترقی کی۔ کوفہ سے دمشق پہنچا' وہاں پہلی مرتبہ خط کی تزئین اور آرائش کی کوشش کی گئی۔ قطبہ بن شبیب طائی پہلا باقاعدہ خطاط تھا۔ خط کا دوسرا بڑا محقق ابن مقلہ تھا جس نے خط نسخ اختراع کیا جو آج تک مستعمل ہے۔ قرآن مجید آج بھی نسخ ہی میں لکھا جاتا ہے۔ اس خط کا امام یاقوت مستعصمی تھا (۶۹۸ھ)

کاملے باید کہ دریابد اصول خط نیک ورنہ ہر ناقص نہ داند شیوۂ یاقوت چیست

تاتاریوں کے زمانے میں دارالحکومت بغداد سے تبریز منتقل ہو گیا۔ وہاں نیا خوب صورت خط "تعلیق" ایجاد ہوا۔ تیمور کے زمانے میں دارالحکومت سمرقند منتقل ہو گیا۔ وہاں خط "نستعلیق" ایجاد ہوا۔ حسن و لطافت' زیبائی اور جاذبیت میں خط نستعلیق سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ میر عماد حسینی (۱۰۲۴ھ) اس خط کا امام گزرا ہے۔ مغل بادشاہوں نے اس کو ہندستان میں مقبول بنا دیا۔ اردو زبان خط نستعلیق میں لکھی جاتی ہے۔

دبستان ہرات: یوں تو تمام ہی سلاطین حسن خط کے شیدا تھے۔ لیکن تیموریان ہرات (۸۰۷-۹۱۱) کا کوئی جواب نہیں۔ فنون لطیفہ خاص طور پر خط نستعلیق کی آبیاری اور ترقی پر جو غیر معمولی محنت اور توجہ انھوں نے صرف کی ہے' خاص طور پر بایسنغر مرزا اور حسین بایقرا نے' وہ تاریخ عالم میں لاثانی ہے۔ مختلف فن کاروں کی ایک فوج ظفر موج ان سلاطین کے درباروں سے وابستہ رہتی تھی۔ جن کی ہر طرح سے ہمت افزائی کی جاتی تھی۔ ان میں کاتب' نقاش' جدول کش' مذہب' مجلد' صحاف' زرکوب' لاجورد شو' کاغذی' رنگ برنگ کاغذ ساز' روشنائی ساز وغیرہ وغیرہ' ہوتے تھے (تاریخ حبیب السیر)۔

مطلا وہ صفحہ کہلاتا تھا جس کی کتابت میں اور نقاشی میں آب زر (سونے کا پانی) استعمال ہوتا تھا۔ بغداد

کی تباہی (۱۲۵۸) کے موقع پر ہزارہا کتابوں کو تاتاریوں نے نذر آتش کر دیا تھا۔ اس وقت بعض کتابوں سے سونا پگھل پگھل کر بہہ رہا تھا۔ بہرکیف دہلی کے مغل سلاطین، ایران کے صفوی، بخارا کے ازبک اور قسطنطنیہ کے عثمانی، کوئی بھی فن پروری میں تیموریان ہرات سے بازی نہ لے سکا۔

ہراتی فن کاروں کی تیار کردہ بہترین کتاب **شاہنامہ فردوسی** کا وہ نسخہ ہے جو **حسین بایقرا** کی نگرانی میں تیار کیا گیا تھا۔ اس کی تیاری میں بیسیوں فن کاروں نے حصہ لیا تھا۔ یہ آج ترکی کے عجائب خانے میں محفوظ ہے۔ فن تعمیر کا بہترین نمونہ مسجد دل شاد بیگم ہے جس میں بادشاہ **حسین بایقرا** نے خود اپنے ہاتھ سے کتبات لکھے تھے۔

مدینہ منورہ کے کتب خانے میں عہد عالم گیری میں لاہور کے کاتبوں کے لکھے ہوئے دو قرآن مجید ہیں۔ سارا قرآن مجید ۳۰ اوراق پر لکھا ہوا ہے۔ ہر سطر کا آغاز حرف واؤ سے ہوتا ہے۔ یہ محمد حسین لاہوری کا لکھا ہوا ہے۔ دوسرا قرآن مجید بھی ۳۰ اوراق پر ہے۔ یہاں ہر سطر کا پہلا حرف الف ہے جس سے سطر کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ قرآن مجید، روح اللہ لاہوری کا لکھا ہوا ہے (**تاریخ عبدالقادر کردی**)۔ یہ سب اسلام کے ذوق جمالیات کا فیضان ہے۔ یہ سب قرآن مجید کا فیضان ہے۔ کتابت قرآن مجید میں کاتب بیک وقت تحسین جمال اور تنزیہہ کمال حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ بقول اقبالؒ

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت — معجزۂ فن کی ہے خون جگر سے نمود

ذوق جمال اور تقرب حق: مسلمان فن کاروں اور ماہرین اساتذہ کے نزدیک ذوق جمالیات کے مظاہرات تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں۔ فن پاروں کے حسن و جمال میں حقیقت کبریٰ کا جلوہ عکس ریز ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم چند ماہرین فن کاروں کی آرا پیش کرتے ہیں۔ سرنامہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اَلشُّعَرَآءُ تَلَامِیْذُ الرَّحْمٰنِ، شعرا رحمٰن و رحیم کے شاگرد ہوتے ہیں۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں "فن خطاطی" کو "توفیق ایزدی کا فیضان" لکھا ہے اور ماہر خطاطوں کو "مکتب علم لدنی کے فیض یافتہ" لکھا ہے۔ مشہور و معروف استاد فن خطاطی بابا شاہ اصفہانی (۹۹۴ھ) نے اپنے رسالے میں لکھا ہے: "حسن کی قدر و منزلت آدمی کو حبیب تک پہنچا دیتی ہے" (**آداب المشق**، مخطوطہ مخزونہ جامعہ پنجاب، لاہور)۔ چونکہ حسن خط کا تعلق مشاہدۂ جمال شاہد حقیقی سے ہے، اس لیے وہ فن کار کو طہارت، نظافت اور تزکیہ نفس کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہونے کی نصیحت کرتا ہے: "کاتب کے لیے ضروری ہے کہ بری صفات سے اجتناب کلی کرے اور صفات حسنہ اپنے اندر پیدا کرے تاکہ صفات حسنہ کا نور اس کی تحریر کے چہرے سے ظاہر ہو اور ہوش مند لوگوں کو پسندیدہ نظر آئے"۔ ایک دوسرے استاد فن خطاطی سلطان علی مشہدی لکھتے ہیں: صفاے خط از صفاے دل است، خط میں صفائی دل کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے۔ "شان خط" کے متعلق وہ لکھتے ہیں: "شان خط وہ حالت ہے کہ جب تحریر میں پیدا ہو جاتی ہے تو کاتب اس

کو دیکھ کر خود مجذوب ہو جاتا ہے اور بے خود ہو جاتا ہے۔ جب کاتب کا قلم "صاحب شان" بن جاتا ہے' تو وہ پھر دنیا کی لذتوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اپنی مشق میں مشغول ہو کر شاہد حقیقی کے جمال کے انوار کا نظارہ کرتا رہتا ہے"۔ بقول علامہ اقبالؒ ~

غبار راہ کو بخشا گیا ہے ذوق جمال خرد بتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے؟

اشیا مستعملہ جمیلہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَیُحِبُّ الْجَمَالَ (مسند احمد' ج ۱' ص ۲۹۹) "اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حسن کو پسند کرتا ہے"۔ بقول غالب ~

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

ایک دوسرے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ٥ اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے' پاکیزگی کو پسند کرتا ہے ٥ صاف ہے' صفائی کو پسند کرتا ہے ٥ شریف ہے' شرافت کو پسند کرتا ہے ٥ سخی ہے' سخاوت کو پسند کرتا ہے ٥ اپنے صحنوں کو صاف رکھو اور یہود سے مشابہت مت اختیار کرو (ترمذی)۔

مسلمانوں کی تعلیم و تربیت مشکوٰۃ نبوتؐ کی روشنی میں ہوئی ہے۔ ان کا ذہنی قالب مذکورہ بالا احادیث کی رہنمائی میں تیار ہوا ہے۔ جسمانی طور پر جہاں وہ طہارت اور نظافت کا اہتمام کرتے ہیں وہاں ذہنی طور پر تزئین اور تحسین اشیا کا اہتمام کرتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس امر کی انھیں ترغیب دی ہے: اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ٥ (الکہف ۱۸:۷) واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سروسامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے---- اس ذہنیت کے پیش نظر مسلمان کاری گروں نے عام استعمال کی اشیا کو حسین اور جمیل بنا کر پیش کیا۔ مثلاً قالین' مصلیٰ' پارچہ جات' ظروف' اسلحہ کے مطلا اور مذہب دستے حتیٰ کہ حقے کی منہال۔ گویا انھوں نے حسن و جمال کے عکس کو ان اشیا مصنوعہ میں مرتکز کر دیا۔

ان اشیا کو حسین و جمیل بنانے میں مسلمان کاری گروں نے تصویر کا استعمال نہیں کیا۔ اس لیے کہ اسلام میں یہ ممنوع ہے۔ ان میں مختلف انداز سے بیل بوٹے اور گل کاری کا استعمال کیا گیا ہے۔ ان میں رنگوں کا تنوع بھی بڑا جاذب نظر ہے۔ ان سب کا مجموعی اثر ذہن پر نہایت فرحت بخش اور دل خوش کن ہوتا ہے۔ فریر ہال' کراچی میں ایک مرتبہ ایک امریکن نے اپنے نوادرات کو پیش کیا تھا۔ ان میں خلیفہ عثمانی سلطان سلیمان اعظم (۱۵۲۰-۱۵۶۶) کی چٹائی پیش کی گئی تھی۔ اس کا تانا ہاتھی دانت کے تاروں کا' اور بانا سونے کے تاروں کا تھا۔ یہ بڑی خوب صورت چٹائی تھی۔ چار یا پانچ افراد اس پر بآسانی بیٹھ سکتے تھے۔ یہ ایک استعمالی شے تھی اور پھر حسین اور جمیل بھی۔

یہاں مسلمان فن کاروں اور کاری گروں کے نقطۂ نظر میں اور ہندوؤں' یونانیوں اور یورپ کے نقطۂ نظر میں واضح فرق موجود ہے۔ دوسری قوموں کے یہاں صرف ندرت کافی ہے۔ استعمال ہونا ضروری

نہیں۔ بلکہ عام طور پر ان کی اشیا قابل استعمال ہوتی ہی نہیں۔ اس سلسلے میں مشہور نومسلم محمد مارماڈیوک پکتھال نے اپنی کتاب اسلامی تہذیب میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں انگلستان میں فن پاروں کی اہمیت اور توقیر کے سلسلے میں ایک بحث چل نکلی۔ فن کے قدر دانوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ فرض کیجیے کسی عمارت میں آگ لگ جاتی ہے۔ اس کی بالائی منزل میں یونانی بت سازی کا انتہائی نادر نمونہ رکھا ہوا ہے اور ایک انسانی بچہ بھی وہاں موجود ہے۔ بتایئے پہلے کس کو بچایا جائے؟ فن کے تمام شیدائیوں کا فتویٰ یہ تھا کہ نادر نمونے کو بچایا جائے خواہ انسانی بچہ ہلاک ہو جائے۔ اس لیے کہ فن کا نمونہ پھر دستیاب نہیں ہو سکتا---- مٹی اور پتھر کے نمونے پر انسانی جان کو قربان کر دینا اسلام کے اساسی تصور کے خلاف ہے۔ ساری اشیا انسان کے لیے ہیں۔ انسان ان اشیا کے لیے نہیں ہے۔

تصویر سازی انحراف ہے: اسلام کا تصور حیات نظریاتی ہے۔ اس کے تحت تمام سرگرمیاں اور مظاہرات بھی نظریاتی ہیں۔ اسلام کا سارا نظام حیات باہم مربوط ہے اور شعور دینی کی خاص رہنمائی کے تحت فروغ پاتا ہے۔ شرک و بت پرستی کی تباہ کاریاں مذاہب کی تاریخ میں اظہر من الشمس ہیں۔ اس لیے سدباب ذریعہ کے طور پر اسلام نے بت سازی' تصویر سازی' عریانی اور رقص و سرود کو ممنوع قرار دے دیا۔ اس لیے اسلامی فنون لطیفہ کے دائرے میں مسلمان فنکاروں نے جائز حدود میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ البتہ کہیں کہیں انحراف کی شکلیں بھی نظر آ جاتی ہیں۔

نظریاتی زندگی کا ایک خاصہ انحراف ہے۔ جہاں غیر معمولی اکثریت نظریہ کی پابندی اختیار کرتی ہے وہاں کچھ لوگ انحراف بھی کر ڈالتے ہیں۔ انحراف کی حیثیت' صحت کے مقابلے میں مرض اور بیماری کی ہے۔ مرض عام طور پر تو انفرادی رہتا ہے لیکن کبھی وبائی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے اور ایک کثیر گروہ اس سے متاثر ہو جاتا ہے۔

گذشتہ ڈیڑھ ہزار سال میں مسلمان اقوام نے مختلف ملکوں' مختلف قوموں اور مختلف زمانوں میں وقت گزارا ہے۔ مختلف اقوام کے ساتھ ان کی ہم سائیگی اور مجاورت رہی ہے۔ ان سے روابط حاکمانہ بھی رہے ہیں اور محکومانہ بھی۔ طبعی قانون کے تحت وہ ان پر اثر انداز بھی ہوئے اور ان سے متاثر بھی۔ اسلام کے عروج کا زمانہ تھا' تو یونانی ہمسایہ ہونے کے باوجود مسلمانوں نے تصویر سازی سے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ لیکن دور زوال میں جب تاتاری غیر مسلم عالم اسلام کے بڑے حصے پر غالب آ گئے' تب چینی تصویر سازی کو تاتاریوں اور پھر مغلوں اور تیموریوں نے فروغ دیا۔ یہ انحراف تھا۔ اسلامی مزاج اس کو قبول نہ کر سکا۔ مگر جدید دور میں مستشرقین کی تمام مساعی نامسعود کا ہدف یہ ہوتا ہے کہ وہ ارباب زیغ کو اسلام کا نمائندہ ثابت کریں۔ اس طرح وہ دور انحراف کو اسلام کا نمائندہ ثابت کرتے ہیں۔ یوں ہر طرح سے اسلام کے منور چہرے کو غبار آلود بناتے رہتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال ؎

دگر بدشت عرب خیمہ زن کہ بزم عجم ۔۔۔ مئے گذشتہ و جام شکستنی دارد

ترجمہ: ایک بار پھر عرب کے صحرا میں خیمہ لگا کیونکہ عجم کی بزم میں' بے اثر شراب اور ٹوٹا ہوا جام ہے۔